بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمائے دیوبند کے مسلک ومزاج کی خصوصیت: اعتدال

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہ
صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمدلله و کفی وسلام علی عباده الذين اصطفی

برصغیر میں اسلامی تاریخ کے عروج وزوال کی داستان بہت طویل ہے، یہاں صدیوں تک مسلمان بادشاہوں کی حکمرانی رہی اور ہند کے تمام خطوں میں اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی حکومت وقیادت کا جھنڈا لہراتا رہا، دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کی حیثیت یہاں ثانوی درجے کی ضرور رہی لیکن قیادت وسیادت اور حکومت وسلطنت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ تجارت کی غرض سے برصغیر میں داخل ہونے والے انگریزوں نے اپنے وسائل اور اپنی مکاری وعیاری سے طویل جدوجہد کے بعد یہاں قبضہ کرلیا اور برصغیر کے مزاج زندگی اور نظام تعلیم وتربیت کو بدلنے اور اسے انگریزی اور فرنگی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ٹھوس اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کی، یہ برصغیر میں اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی تعلیم وتربیت اور مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو مٹانے اور ختم کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو فرنگی مزاج میں رنگنے کا سوچا سمجھا خطرناک منصوبہ تھا، تب اللہ کے چند نیک اور مخلص بندوں نے ''دیوبند'' نامی بستی میں دفاعی لائحہ عمل کے طور پر ہند میں اسلامی تشخص اور اسلامی نظام تعلیم وتربیت کو برقرار رکھنے کے لئے بے سروسامانی کے عالم میں خالص اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک ''دینی مدرسہ'' کی بنیاد رکھی، یہ مدرسہ جو انار کے درخت کے نیچے سنہ 1268ھ میں ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہوا تھا، بعد میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانا اور پہچانا گیا، اس کی شاخیں اور اس کے نہج پر قائم ہونے والے مدارس کا پورے برصغیر میں ایک جال بچھتا چلا گیا، فرنگی منصوبہ بندی کے نتائج سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے حفاظتی اور دفاعی جال!...... پھر ان مدارس میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے اور یہاں کے رنگ میں رنگنے والوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو برقرار رکھنے کا فریضہ تو انجام دیا ہی، تاہم انہوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرنگی ملکوں میں جا کر ان کی تہذیب وکلچر پر یلغار کا اقدام بھی کیا، تب سے ان مدارس کو اغیار اپنی راہ کا کانٹا اور اپنی

منصوبہ بندی کی کامیابی کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس عظیم ادارے کی طرف منسوب اکابر علمائے دیوبند کی بہت سی خصوصیات تھیں، اخلاص وللّٰہیت، دیانت وامانت، اسلامی علوم میں پختگی ومہارت، ان کی ترویج واشاعت، خودداری واستغناء، حق کی حمایت، باطل کی تردید، اسلاف پر اعتماد، اتباع سنت، یہ سب صفات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، لیکن مجھے آج ان کی جس صفت اور جس خصوصیت کو ذکر کرنا ہے وہ ''اعتدال'' ہے۔ علمائے دیوبند کے مسلک ومزاج میں ''اعتدال'' وہ بنیادی عنصر و خصوصیت ہے جو انہیں افراط وتفریط سے بچا کر ٹھیک اسی راستے تک لے جاتی ہے جو "ما أنا علیہ و أصحابی" کا مصداق ہے اور جس پر چلنے والے ''اہل سنت والجماعت'' کہلاتے ہیں، اعتدال کی یہ صفت ان کی زندگی کے ہر ہر شعبے میں جھلکتی ہے۔

راہ اعتدال پر چلنے والوں کے لئے ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ افراط والے انہیں تفریط میں مبتلا سمجھتے ہیں اور اہل تفریط انہیں افراط کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، علمائے دیوبند کے ساتھ بھی ایسا ہوا اور ہورہا ہے، مثلاً علمائے دیوبند، قرآن وحدیث پر ایمان کامل اور عمل صالح کے ساتھ اسلاف پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کی تشریح میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے ان کے اقوال وتشریحات کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں لیکن اس اعتماد اور عقیدت میں وہ اس قدر غلو نہیں کرتے کہ وہ شخصیت پرستی یا عبادت کے رتبے کو چھولے بلکہ یہ اعتماد اور عقیدت فرق مراتب کو ملحوظ رکھ کر اعتدال کے حدود کے اندر ہی اندر رہتی ہے۔

افراط وتفریط میں مبتلا دونوں فریقوں نے علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، افراط والوں نے انہیں اہل تفریط میں شمار کیا اور تفریط والوں نے ان پر افراط کا الزام لگایا، چنانچہ ''حسام الحرمین'' نامی ایک کتاب لکھی گئی جس میں علمائے دیوبند پر گستاخ رسول ہونے کا الزام عائد کیا گیا اور پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، ان کے دلوں میں اولیاء کے لئے عقیدت واحترام کے جذبات نہیں ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ایک دوسرے فریق کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کتابوں کا سلسلہ چل نکلا جن میں باور کرایا گیا کہ یہ قبر پرست اور اسلاف واکابر کی شخصیت پرستی میں مبتلا جماعت ہے ''الدیوبندیہ......'' نامی کتاب اسی پروپیگنڈہ پر مشتمل ہے، لیکن الحمدللہ علمائے دیوبند ادھر ہیں، نہ ادھر، نہ گستاخی کے مرتکب ہیں، نہ شخصیت پرستی میں مبتلا بلکہ وہ درمیان کی راہ اعتدال کے راہی ہیں۔

اسلام کے بنیادی اہداف ومقاصد کے حصول کے لئے طریقہ کار اور لائحہ عمل اختیار کرنے میں بسا اوقات رائے کا اختلاف ہوجاتا ہے، ایک فریق اپنے تجربات، اپنی بصیرت اور علم کی روشنی میں ان بنیادی اہداف ومقاصد کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کرتا ہے، دوسرا فریق اس طریقہ کو مفید نہیں سمجھتا اور اس سے مختلف لائحہ عمل اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے، رائے کا اس طرح کا اختلاف اکابر علمائے دیوبند میں بھی مختلف مواقع پر ہوا ہے، عموماً اس طرح کے اختلاف کے

موقع پر جادۂ اعتدال سے دونوں فریق ہٹ جاتے ہیں اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ فریق مخالف کی اچھائی بھی برائی نظر آنے لگتی ہے، جب کہ دوسری طرف اپنی جماعت کی شرعی قباحتوں کو بھی نظرانداز کرنے کا معمول بن جاتا ہے لیکن آفرین ہے اکابر علمائے دیوبند پر کہ انہوں نے رائے کے شدید اختلاف کے باوجود اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں دو نظریئے تقسیم ہند سے بہت پہلے سے چلے آرہے تھے، ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کو ہندوستان میں دوسری اقوام کے ساتھ مل کر سیاسی جدوجہد کرنی چاہئے، ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی و کوشش کا کامیاب و بارآور ہونا بڑا مشکل ہے، دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ہندو ایک تنگ نظر قوم ہے، اس کے ساتھ اتحاد کر کے مسلم قوم کسی مقصد تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی جدوجہد الگ اور مستقل کرنی چاہئے، اکابر علمائے دیوبند ان دونوں نظریوں میں مختلف رہے، دونوں طرف اکابر بھی تھے اور دلائل بھی تھے، مقصد دونوں کا ایک تھا لیکن لائحہ عمل اور طریقہ کار میں رائے کا اختلاف تھا۔

جب آزادی کی تحریک اپنے انجام کے قریب پہنچ رہی تھی، تو تقسیم ہند کی تحریک نے بھی زور پکڑا، مسلم لیگ نے تقسیم کا پرچم اٹھایا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے ہم خیال علماء نے تقسیم ملک کی حمایت میں مسلم لیگ کی تائید کی، جنہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حمایت و تائید حاصل تھی۔ دوسری طرف جمعیت علماء ہند نے تقسیم ملک کو مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ضرر رساں باور کیا، اس لئے انہوں نے تقسیم کی مخالفت کی۔ ان علماء کی قیادت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کر رہے تھے، یہاں سوال پاکستان کی مخالفت یا حمایت کا نہیں تھا، جیسا کہ پروپیگنڈائی شور وغوغا کے ذریعے باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ بلکہ سوال دراصل یہ تھا کہ آزادی کی کون سی صورت مسلمانوں کے لئے مستقبل میں مفید، بہتر اور کامیابی کی ضامن ہوگی، اس میں تو وحی کسی پر نازل نہیں ہو رہی تھی، فیصلہ انسانی سوچ اور رائے ہی کو کرنا تھا اور انسانی رائے میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

تقسیم کی حمایت کرنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ مغربی تہذیب سے نجات پانے، مسلمانوں کے اپنے اسلام پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی واحد صورت یہی ہے کہ ملک کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ خطہ زمین دے دیا جائے، جہاں وہ اپنے دین کو نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں، تقسیم کی مخالفت کرنے والوں کا کہنا تھا کہ انگریز سے صرف آزادی حاصل کرو اور کچھ نہ کراؤ، اگر اس سے بٹوارہ کرایا گیا تو وہ یقیناً مسلمانوں کے حق میں ڈنڈی مارے گا اور پھر ساری زندگی پچھتانا پڑے گا۔ لیکن رائے کے اس شدید اختلاف کے دور میں بھی دونوں طرف کے بزرگوں کے آپس کے اکرام و احترام اور عقیدت و محبت کے یہ چند

واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱)......ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، اسارت کی خبر سن کر بہت غمگین ہوئے اوراس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے'' حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت تھانوی نے فرمایا'' آپ مجھے اس جملے سے تسلی دینا چاہتے ہیں، کیا حضرت حسینؓ، یزید کے مقابلے میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے، مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔'' (شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، ص:۳۰)

(۲)......ایک بار حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں مولانا حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین سمجھتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت (دلیل) کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ اختلاف رفع ہوجائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنی سپاہی بن کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صفحہ۲۲)

(۳)......ایک اور موقع پر فرمایا:

''میں اپنی جماعت میں مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔''

(۴)......ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ سے فرمایا:

''ہمارے اکابر دیوبند کی بفضلہ تعالیٰ کچھ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، چنانچہ شیخ مدنی کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں، ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تواضع، چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔'' (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم صفحہ۱۷۲)

(۵)......ایک مرتبہ فرمایا:

''مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھی کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے، مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہوگئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔'' (حوالۂ بالا)

(۶)......سنہ ۱۳۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ چلے گئے اور دارالعلوم دیوبند شدید بحران کا شکار رہا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی تھے اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی، چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہی نے سرپرست کی حیثیت سے اس وقت کے مہتمم اور نائب مہتمم کو مشورہ دیا کہ حضرت مدنی کو دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ سنبھالنے کے لئے

لایا جائے، چنانچہ آپ کے مشورے پر عمل کیا گیا، مجلس شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، اس میں حضرت مدنی کے لئے بلند کلمات تحریر کئے گئے اور ان سے یہ عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی گئی، حضرت مدنیؒ نے کچھ شرطیں پیش کیں، وہ تمام شرطیں حضرت تھانویؒ اور مجلس شوریٰ نے منظور فرمائی اور اس طرح حضرت مدنیؒ نے دارالعلوم دیوبند میں آکر اپنی شاندار اور وقیع تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔

(۷)......یہ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند واقعات تھے، اب دوسری طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ان کے ساتھ احترام وعقیدت کا حال ملاحظہ فرمائیں، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ حضرت مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم و احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفلِ دبستاں کو افلاطون سے ہوسکتی ہے...... میں مولانا کو اپنا مقتدیٰ اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں۔'' (مکتوب شیخ الاسلام، جلد اول، صفحہ ۱۴۳)

(۸)......حضرت مدنی رحمہ اللہ ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے اور بہت زیادہ اختلاف ہے، مگر جزئیات اور فروع اور اسلامک لاء جن کو سیاست سے تعلق نہیں ہے، ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا، مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم وفنون میں تمام عمر مصروف رہنا، ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگر حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف کرکے عالم اسلامی اور خلائق کو فیضیاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہوچکا ہے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، صفحہ ۴۳)

(۹)......ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بھتیجے مولانا سید فرید وحیدی صاحب نے ان سے پوچھا: ''حضرت! کیا حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟'' حضرت مدنی رحمہ اللہ نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا:

''بے شک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔''

(تکملۂ الاعتدال فی مراتب الرجال، صفحہ ۲۱)

(۱۰)......مولانا عبدالماجد دریاآبادی مرحوم، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مدنی رحمہ اللہ خود بیعت کرانے کے بجائے ان کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے اور انہیں بیعت کرنے کے لئے سفارش فرمائی، مولانا دریاآبادی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو پوری صورت حال بتائی کہ ''بیعت کے لئے جو بزرگ ہماری نظر میں ہیں، ان میں نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحب ہیں، اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو'' حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے، میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں، آپ مولانا حسین احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کیجئے۔"

حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لیکن مجھ میں اس کی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔" حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا "مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے۔"

اب آپ اندازہ کریں کہ ان بزرگوں میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود آپس کے احترام وعقیدت، ایک دوسرے کے مرتبے کی پہچان اور حدود کی رعایت کا کیا عالم تھا، مولانا دریا آبادی صاحب نے دونوں بزرگوں کی ملاقات کا منظر یوں لکھا ہے:

"لوگ کہتے تھے کہ ان میں بے لطفی ہے، ناچاقی ہے لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں بلکہ دو دوست گلے مل رہے ہیں، تعظیم وتکریم مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی، عادت طبعی کی بناء پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب رسم وتکریم میں کوئی کمی نہ تھی، لاحول ولاقوۃ، لوگ بھی کیسی کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں، اور لوگ بھی کون؟ عوام کالانعام نہیں، اچھے خاص پڑھے لکھے، ثقہ راوی، خود ان دونوں حضرات کے خدام ومریدین، بعض راوی زبانِ قال سے اور بعض زبانِ حال سے، الحمد للہ کہ دونوں روایتیں غلط نکلیں۔" (حکیم الامت از دریا آبادی، صفحہ ۳)

(۱۱)......دار العلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رہائش گاہ کے پاس حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بعض حامی طلبہ نے چند پرچیاں پھینکیں جن میں نامناسب اور ناشائستہ جملے لکھے گئے تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کو جب اس کا علم ہوا تو تمام طلبہ کو مسجد میں جمع کر کے حضرت عثمانی کے مقام ومرتبہ سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے خطاب فرمایا اور آخر میں فرمایا:

"جن طلبہ نے یہ پرچیاں پھینکیں، میں تو اور کچھ نہیں کر سکتا، البتہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر ان کے لئے بددعا کروں گا۔"

اللہ اکبر! اندازہ کیجئے سیاست میں شدید اختلاف کے باوجود حضرت عثمانیؒ کی شان میں گستاخی کرنے سے حضرت مدنیؒ کو کس قدر تکلیف پہنچی، اس سے ان بزرگوں کے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱۲)......ہمارے استاذ ومربی حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، ہم نے درجہ رابعہ تک ابتدائی کتابیں ان ہی کے پاس پڑھیں اور پھر ان کے مشورے سے دار العلوم دیوبند گئے اور وہاں دورۂ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شرف تلمذ سے بہرہ ور اور

سرفراز ہوئے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: "شیخ مدنی کے ہوتے ہوئے کہیں اور حدیث پڑھنے کا مشورہ میں کیسے دے سکتا ہوں۔"

ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد اختلاف رائے کے موقع پر علمائے دیوبند کے معتدل مسلک و مزاج کو واضح کرنا ہے، ایسے مواقع پر عموماً ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، سب شتم کرنے، بے جا الزامات لگانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا ایک طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے اکابر کی شان میں گستاخی سے بھی دریغ نہیں کرتے، علمائے دیوبند کا مسلک و مزاج اور ان کا ذوق و مشرب اس قسم کی بے راہ روی سے کوسوں دور ہے، تقسیم ہند کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کے اختلاف اور ان کے مسلک کو ان چند واقعات کے آئینے میں آپ دیکھ سکتے ہیں، یہ ان کے اعتدال کی صرف ایک مثال ہے، رائے کے اختلاف کے دوسرے مواقع میں بھی ان کے اعتدال کا یہی عالم رہا، اب اگر کوئی شخص تقسیم ہند کے وقت دو نظریوں میں سے کسی ایک کا حامی ہے لیکن دوسرے نظریئے کے اکابر کی عقیدت و احترام اس کے دل میں نہیں، ایسے شخص کو آپ خالص "کانگریسی" یا خالص "مسلم لیگی" تو کہہ سکتے ہیں لیکن حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ کی طرف انہیں اپنی نسبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ رائے کے اختلاف کے موقع پر جو بھی شخص حدود سے تجاوز کرے، ذاتیات پر اتر آئے اور اکابر کی شان میں دریدہ ذہنی یا بدگمانی کا شکار ہو، یقیناً ایسا شخص اکابر دیوبند کے معتدل مسلک و مزاج سے ہٹا ہوا ہے اور اگر وہ ان کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے تو اس معتدل مسلک و مزاج کے مطابق اپنی تربیت کا انتظام واہتمام کرے۔

آج جب کہ علمائے دیوبند کی طرف نسبت کرنے والوں میں طریقہ کار کے اختلاف سے کئی سیاسی، جہادی اور سماجی جماعتیں بن گئی ہیں، اس لئے اعتدال کی تربیت کی اشد ضرورت ہے، مختلف جماعتوں کے ساتھ یہ وابستگی عموماً جذباتی ہوتی ہے اور جذبات کے بہاؤ کو حدود کے اندر رکھنے کے لئے اعتدال کے بہت مضبوط بند کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لئے میری مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے کارکنوں اور اپنی جماعت سے وابستہ نوجوانوں کو اعتدال کی تربیت دیں، اسی طرح اہل مدارس طلبہ کی تربیت کرتے ہوئے ان میں اعتدال پیدا کرنے کی طرف خاص توجہ دیں کہ اعتدال سے ہٹ کر یا افراط ہے یا تفریط اور وہ دونوں گمراہی کے راستے ہیں، اعتدال ہی اس امت کی خصوصیت بھی ہے اور راہ نجات بھی۔ وکذلك جعلنا کم امة وسطا (اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے جو نہایت اعدال پر ہے)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین

☆......☆......☆